

جناب مفتی محمد ارشد جالندھری

مدرس دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

سلسلہ نمبر 2

اختلافِ مطالع کے اعتبار و عدم اعتبار کی تحقیق

(قسط نمبر 3)

(۶) عن ابن عباس قال جاء اعرابی الى رسول الله ﷺ فقال اني رأيت الهلال يعني رمضان فقال أتشهد ان لا اله الا الله قال نعم قال أتشهد ان محمداً رسول الله قال نعم قال قم يا بلال فأذن في الناس فليصوموا غداً (الحلی ۳/۵۷۷)

(عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ میں نے چاند دیکھا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا! کیا یہ شہادت دیتے ہو کہ اللہ ایک ہے وہی عبادت کے لائق ہیں۔ اعرابی نے کہا ہاں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ محمد ﷺ اللہ کا رسول ہے۔ اعرابی نے کہا ہاں، جس پر آپ ﷺ نے فرمایا اے بلال! لوگوں میں اعلان کرو کہ کل روزہ رکھیں۔)

(۷) حسین بن الحارث الجدلی ان امیر مکہ ہوا الحارث بن حاطب ... خطب فقال عهد الينا رسول الله ﷺ ان ننسك لرؤيته فان لم نره وشهد اعدل نسكنا بشهادتهما (الحلی ۳/۵۳۸) (ترجمہ: حسین بن حارث الجدلی کہتے ہیں کہ مکہ کے گورنر حارث بن حاطبؓ نے خطبہ میں فرمایا کہ رسول ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم چاند کی رویت پر حج کریں اور اگر ہم نے چاند نہیں دیکھا اور دو عادل گواہوں نے گواہی دی تو ہم انکی گواہی پر حج کریں گے۔) مذکورہ روایت سے استدلال کو سمجھنے کیلئے چند باتیں ذہن نشین رکھنی چاہئیں:

(۱) تمام امت کا اجماع ہے کہ حج میں عرفہ کا ایک ہی دن ہے۔ (۲) اگر اس دن عرفہ کو حاجی نہ گیا تو اس کا حج نہ ہوگا۔ (۳) اور عرفہ کے دن جس وقت بھی حاجی عرفات کے میدان میں داخل ہو جائے اگرچہ ایک لمحہ کیلئے کیوں نہ ہو اس کا حج ادا ہوگا۔ اب جب عرفہ کا دن ایک ہے اسی طرح

اس دن حاجی کا وہاں جانا ضروری ہے اگرچہ پورے دن میں ایک لمحہ کیلئے ہو تو حج ادا ہو جائے گا، تو آج کے اس برق رفتار دور میں اگر کوئی عرفہ کے دن صبح جہاز میں سوار ہو کر دوپہر کو عرفات پہنچ جائے تو حج ادا ہو جائے گا۔ لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ ہمارا عرفہ آج نہیں بلکہ کل ہے اور رات کو روانہ ہو کر کل عرفات پہنچ جائے تو سب کے نزدیک حج ادا نہ ہوگا۔ تو معلوم ہوا کہ جملہ مسلمانوں کا عرفہ کا دن ایک ہے اور اس کا تعلق بھی رویت ہلال سے ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں، ورنہ پھر ہر اقلیم کے لئے اپنا اپنا عرفہ ہوگا اور انکا حج اسی دن ادا ہوگا۔ اس لئے آپ ﷺ کا ارشاد کہ مناسک حج رویت ہلال سے شروع کروا کر سب نے نہ دیکھا تو دو وثقہ آدمیوں کی رویت کی شہادت سب کیلئے کافی ہے۔ جسکو امیر مکہ حارث بن حاطب نے خطبہ میں پیش کیا۔

(۸) عن ابن عمر قال ، قال رسول الله ﷺ انا امة امية لانكتب ولا نحسب ، الخ (آپ ﷺ نے فرمایا کہ بیٹھک ہم انپرھ امت ہیں ہم نہ کتابت جانتے ہیں اور نہ حساب کرتے ہیں) (صحیح البخاری ۱/۔) اس روایت کو بھی اگر غور سے دیکھا جائے اور اسمیں غور کیا جائے تو اس سے بھی یہی متفقہ مسئلہ ثابت ہوگا اسلئے کہ اختلاف مطالع کے اعتبار کرنے میں اسکی تحدید کیلئے علم ہیئت کے دقائق اور اسکے مشکل حسابات کا علم رکھنا ہوگا جسکا شریعت نے ہمیں مکلف نہیں بنایا ہے۔

علامہ ظفر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں : "واعلم ان دليل من لم يقل باعتبار اختلاف المطالع قول عليه السلام انا امة امية لانكتب ولا نحسب متفق عليه مشكوة ۱/۱۶۶ فان اعتباره يتوقف على دقائق الهيئة والحساب التي لانكلف بها فاعتباره يتلزم التكليف بها وهو منتف بالحديث فينفي الملزوم" (اعلاء السنن ۹/۱۰۳)۔ (ترجمہ : جان لو بیٹھک جو لوگ اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں کرتے ان کی دلیل آپ ﷺ کا یہ فرمان : بیٹھک ہم ایسی امت ہیں کہ ہم نہ لکھنا جانتے ہیں اور نہ حساب کرتے ہیں) (متفق علیہ مشکوٰۃ) بیٹھک اختلاف مطالع کا اعتبار علم ہیئت اور علم حساب کے دقائق پر موقوف ہے اور ہم اس کے مکلف نہیں، پس اعتبار دینے میں اس سے تکلیف کا استلزام ہے جو حدیث شریف سے نفی (ختم) ہو چکی ہے۔ پس ملزوم (اختلاف مطالع کا اعتبار) بھی ختم ہوا۔

علامہ عثمانیؒ کی اس وضاحت سے یہ معلوم ہوا کہ اعتبار اختلاف مطالع میں علم ہیئت کے دقائق اور حساب کا علم رکھنا ہوگا اسکی تحدید اسی پر موقوف ہے تو جب شریعت مقدسہ نے ہمیں اس کا مکلف نہیں کیا تو لازم کی نفی سے ملزوم جو اعتبار اختلاف مطالع ہے وہ بھی ختم ہوا۔ اسی طرح مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی تشریح حدیث بھی کچھ اس طرف میلان رکھتی ہے چنانچہ فرماتے ہیں: "قوله لانكتب ولا نحسب ان العمل بالحساب على مايتعارفه

المنجمون ويتعارفونه ليس مما تعهدنا ولا امرنا اذ ليس ذلك من هدينا وسمتنا في شئ" (تعلیق الصبح ۲/۳۷۷) (ترجمہ: آپؐ کا فرمان ہے: ولا نكتب الخ بیشک حساب پر عمل ہے جو اہل نجوم کے ہاں متعارف ہے اور ہمیں اس کا مکلف نہیں بنایا گیا اور نہ ہمیں حکم ہوا ہے اور نہ یہ ہماری شریعت اور مسلک میں کوئی حیثیت رکھتا ہے)۔ اور ظاہرات ہے کہ آجکل کے جدید حسابات جو کمپیوٹر وغیرہ جدید آلات کے ذریعے کیے جاتے ہیں شریعت میں اس کا حکم نہیں ہوا اس کے مکلف بنانے میں تکلیف مالا یطاق کا سامنا ہوتا ہے جو شرعاً مذموم ہے جبکہ اختلاف مطالع کا اعتبار اسی حسابات پر موقوف ہے، اس لئے حدیث مذکورہ اور تشریحات محدثین اس کے عدم اعتبار کی طرف مشیر ہیں۔

(۹) عن الحارث عن علي اذا شهد رجلا ن على رؤية الهلال افطروا" (الحلی ۳/۵۳۸) (ترجمہ: حضرت حارثؓ حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ جب دو گواہ چاند دیکھنے کی گواہی دے دیں تو تم افطار کرو)۔ حضرت علیؓ کا فرمان بھی عدم اعتبار کی طرف نشاندہی کرتا ہے اس لیے کہ آپؐ نے فرمایا کہ جب بھی دو آدمی چاند کی رویت دیکھنے کی شہادت دیں تو تم یعنی اے مسلمانوں افطار یعنی عید کرو۔

(۱۰) ان منقولی دلائل کے علاوہ جمہور علماء اس کو قیاس سے بھی ثابت کرتے ہیں کہ بلاد قریبہ میں تو ایک رویت سب کیلئے کافی ہے تو اسی طرح بلاد بعیدہ میں بھی وہی رویت کافی ہے۔ چنانچہ شیخ دہبہ الزحلیؒ فرماتے ہیں: "واما القياس: فانهم قاسوا البلدان البعیده على المدن القریبة من بلد الرؤية اذ لافرق والتفرقة تحكم لا تعتمد على دليل" (الفہم الاسلامی وادلہ ۲/۷۰۹)

(ترجمہ: دلیل قیاسی، بیشک جمہور نے بلاد بعیدہ کو بلاد قریبہ پر باعتبار رویت کے قیاس کیا ہے، اس میں کوئی فرق نہیں، تفرقہ کا فیصلہ اس دلیل پر ہے جس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا ہے)۔

خلاصہ: ان دلائل کے پیش نظر جمہور فقہاء کرام و محدثین عظام اختلاف مطالع کو اعتبار نہیں دیتے بلکہ ایک جگہ ہی رویت دوسرے مقامات (قریب ہوں یا بعید) کے لئے معتبر اور حجت مانتے ہیں اس میں مسلمانوں کی اجتماعی شکل و صورت سامنے آئے گی جسکی طرف اسلام داعی ہے۔

عدم اعتبار کے دلائل: گذشتہ صفحات میں جمہور علماء و فقہاء کے دلائل ذکر کیے گئے ہیں۔

اب باقی دو نظریوں (۱) جو ہر شرکیلئے اپنی اپنی رویت ضروری سمجھتے ہیں (۲) جو بلاد بعیدہ میں اختلاف مطالع کو معتبر مانتے ہیں) کے دلائل ذکر کیے جاتے ہیں۔ ان حضرات کا سب سے بڑا متدل حدیث کریمؐ ہے جس میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے انکی شہادت کو رد فرما کر اس پر عمل نہ کرنے کا حکم دیا، چنانچہ صحیح مسلم میں ہے: "عن کریم ان ام الفضل بنت

الحارث بعثتہ الی معاویہ بالشام قال فقدمت الشام قضیت حاجتہا واستہل علی رمضان وانا بالشام فرأیت الهلال لیلة الجمعة ثم قدمت المدینة فی اخر الشهر فسألنی عبد اللہ بن عباس ثم ذکر الهلال فقال متی رأیتہم الهلال فقلت رایتہ لیلة الجمعة فقال انت رأیتہ فقلت نعم وراہ الناس وصاموا وصام معاویہ فقال لکننا ایناہ لیلة السبت فلانزال نضوم حتی ذکمل ثلثین اونراہ

فقلت اولاً تکفنی بیرویة معاویہ وصیامہ فقال لاہکذا امرنا رسول اللہ ﷺ" (صحیح المسلم ۳۸۸/۱)۔ (ترجمہ: حضرت کریمؐ سے روایت ہے کہ ام الفضل بنت الحارث نے انہیں

حضرت امیر معاویہؓ کے پاس ملک شام بھیجا۔ حضرت کریمؐ فرماتے ہیں کہ میں شام پہنچا اور ان کا کام کر لیا اور میں وہیں تھا کہ رمضان کا چاند رونما ہوا، میں نے خود جمعہ کی شب چاند دیکھا۔ پھر

رمضان کے آخر میں میں مدینہ طیبہ آیا تو مجھ سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے دریافت کیا اور چاند کا ذکر کیا اور کہا کہ تم نے رمضان کا چاند کب دیکھا؟ تو میں نے کہا کہ ہم نے جمعہ کی شب میں دیکھا۔

تو انہوں نے کہا کہ آپ نے خود دیکھا بھی جمعہ کی شب کو؟ تو میں نے کہا ہاں (میرے علاوہ) اور بھی

بہت سے لوگوں نے دیکھا اور سب نے روزہ رکھا۔ حضرت معاویہؓ نے بھی روزہ رکھا۔ اس پر حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے فرمایا مگر ہم نے تو چاند ہفتہ کی شب میں دیکھا ہے اس لئے ہم لوگ اس وقت تک روزے رکھیں گے جب تک تیس روزے پورے نہ ہو جائیں یا چاند دیکھ لیں تو میں نے کہا کہ کیا آپ حضرت معاویہؓ کے چاند دیکھنے اور روزہ رکھنے کو اپنے لیے کافی (دلیل) نہیں سمجھتے۔ انہوں نے فرمایا نہیں ہم کو رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی حکم دیا ہے۔ علامہ قاضی شوکانیؒ فرماتے ہیں: "وحجة اهل هذه الاقوال حديث كريب هذا وجه الاحتجاج به أن ابن عباس لم يعمل برؤية اهل الشام وقال في آخر الحديث هكذا امرنا رسول الله ﷺ فدل ذلك على أنه قد حفظ من رسول الله ﷺ أنه لا يزم اهل بلد العمل برؤية اهل بلد آخر" (نیل الاوطار ۳/۲۰۶)

ترجمہ: "ان اقوال کے قائلین کی حجت حدیث کربیب ہے۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ عبداللہ بن عباسؓ نے اہل شام کی رویت پر عمل نہ کیا اور آخر میں فرمایا کہ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے (یہ جملہ) اس بات پر دال ہے کہ بیشک انہوں نے رسول کریم ﷺ سے اس بات کو حقا کیا ہے کہ ایک شہر کیلئے دوسرے شہر کی رویت پر عمل کرنا لازم نہیں۔" اور یہی ظاہری حدیث سے پلتا ہے۔

الجواب: مگر ظاہری عبارت سے ہٹ کر ذرا غور اور نظر عمیق سے دیکھا جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ اس حدیث سے استدلال کرنا درست نہیں، اس لئے کہ یہ حدیث کئی وجوہ سے مول ہے۔ اور علماء امت نے اس کے یہی جوابات دیے ہیں۔

(۱)۔ چنانچہ علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں:

"واعلم ان الحجة انما هي في المرفوع من رواية ابن عباس لافي اجتهاده الذي فهم عنه الناس والمشار اليه بقول هكذا امرنا رسول الله ﷺ هو قول فلانزل نصوم حتى نكمل ثلاثين والأمر الكائن من رسول الله ﷺ هو ما أخرجه الشيخان وغيرهما بلفظ لا نصوموا حتى تروا الهلال ولا تقطروا حتى تروه فان

ثم عديمكم فاكمه العدة ثلاثين ، وهذا لا يختص بأهل ناحية غنى جهة الانفراد بل هو خطاب لكل من يفتتح له من المسلمين ، فلا استدلال به على لزوم رؤية أهل بلد غيرهم من أهل البلاد أظهر من الاستدلال به على عدم لزوم لأنه إداره أهل بلد فقدها المسلمون مبهم غير فهم بالترسيخ" (نقل الاطوار ۳: ۲۰۶)

ترجمہ: "ہاں لو شکحت حجت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت کے اندر حدیث مرفوع سے ہے انکے اجتہاد سے نہیں جو لوگوں نے اسے سمجھا ہے۔ یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کا اشارہ الیہ فلا نزال نعصوم حتی تکمل ثلاثین جب جو حدیثی، مسلم اور دوسری کتب حدیث میں ان الفاظ سے مراد ہے کہ تم روزوں کو چاند دیکھو اور انظار کرو، یہاں تک چاند دیکھو اگر چاند تم پر ظنی ہو جائے تو کچھ نہیں بلکہ اگر دیکھو اور یہ کسی علاقے کے ساتھ انفراداً خاصاً نہ بلکہ یہ خطاب مسلمانوں کے لئے ہے جو انکی صلاحیت رکھتا ہو، پس اس حدیث سے استدلال ایک شرعی رویت کا دوسرے شرع کے لئے حجت نہ ہونے کے بجائے ایک شرعی رویت دوسرے بناو کیلئے حجت ہونے میں زیادہ واضح ہے اس لئے کہ جب ایک شرع والے چاند کی رویت کریں تو گویا کہ تمام مسلمانوں نے چاند دیکھا تو دیکھنے والے کے علاوہ پر وہ حکم لازم ہوگا جو ان کے دیکھنے والوں پر ہوا ہے۔ اگر بالفرض اس بات کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ (ہذا امرنا) کا اشارہ عبداللہ بن عباسؓ کے کلام میں اس طرف ہے کہ ایک شرعی رویت دوسرے شرع کیلئے لازم نہیں، تو علامہ شوکانیؒ اسکے جواب میں فرماتے ہیں: "لو سلم توجه الاشارة في كلام ابن عباس الى عدم لزوم رؤية لاهل بلد آخر لكان عدم لزوم مقيداً بدليل العقل وهو ان يكون بين القطرين (البلدين) من البعد ما يجوز معه اختلاف المطالع وعدم عمل ابن عباسؓ برؤية اهل الشام مع عدم البعد الذي يمكن معه الاختلاف في عمل الاجتهاد وليس بحجة" (نقل الاطوار ۳: ۲۰۷)

ترجمہ: "اگر عبداللہ بن عباسؓ کے کلام میں اشارہ ایک شرعی رویت دوسرے کیلئے عدم لزوم کی طرف تسلیم کیا جائے تو اس میں عدم لزوم کو دلیل عقل کے ساتھ مقید کرنا لازم آئے گا اور وہ یہ کہ

دو شہروں میں اتباع ہو کہ وہاں تک اختلاف مطالع متحقق ہو جائے، جب کہ عبد اللہ بن عباسؓ کا اہل شام کی روایت پر عمل کرنا باوجود اسکے کہ وہاں تک اتباع بھی نہیں جو اختلاف مطالع تک پہنچ سکے تو یہ حجت نہیں۔" یہ توجیہ تو ان حضرات کیلئے کافی ہے جو اختلاف مطالع کے اعتبار کو بلاد بعید میں مانتے ہیں۔ قریب میں نہیں مانتے، لیکن جو حضرات ہر شہر کیلئے اپنی اپنی روایت کے قائل ہیں تو وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس حدیث میں عدم لزوم روایت مقید بال نقل نہیں ہر ایک شہر والوں کے لئے اپنی روایت کافی ہے دوسرے کی روایت پر اکتفاء کرنا صحیح نہیں چاہئے شہروں میں بعد پایا جاتا ہو یا نہ اور یہی عبد اللہ بن عباسؓ کے قول "ھکذا الامرنا رسول اللہ سے مراد ہے۔

چنانچہ علامہ شوکانیؒ اس کے بارے میں بھی فرماتے ہیں: "ولو سلم عدم لزوم التقيد بالعقل فلا يشك عالم ان الادلة قاضية بان اهل الاقطار يعمل بعضهم بخير بعض وشهادته في جميع الاحكام الشرعية والرؤية من جملتها وسواء كان بين القطرين من البعد ما يجوز معه اختلاف المطالع ام لا فلا يقبل التخصيص الابدليل لم يأت ابن عباس بلفظ النبي ﷺ ولا بمعنى لفظه حتى ننظر في عمومہ وخصوصہ انما جاء نا بصيغة مجملة اشارہ بها الى قصة هي عدم العمل اهل المدينة برؤية اهل الشام على تسليم ان ذلك المراد ولم نفهم منه زيادہ على ذلك حتى نجعله مخصصا لذلك العموم (نزل الاقطار: ۲۰۶/۴)

ترجمہ: "اگر عدم لزوم تقيد بالعقل کو تسليم کیا جائے تو کسی سمجھدار کو اس میں کوئی شک نہیں کہ اول: اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ دنیا والے ایک دوسرے کی اطلاعات اور شہادت پر تمام احکام شرعیہ میں عمل کرتے ہیں اور روایت کا مسئلہ بھی ان ہی احکامات میں سے ہے، چاہے دونوں شہروں میں مسافت دور کا ہو جس میں اختلاف مطالع ممکن ہو یا نہ ہو، پس کسی چیز کی تخصیص علاوہ دلیل کے قبول نہ کی جائے گی، جبکہ عبد اللہ بن عباسؓ نے تقلید کیلئے نبی کریم ﷺ کے الفاظ پیش کیے ہیں (تقیہ) کے ہے اور نہ معنی اور مفہوم ذکر کیا تاکہ ہم اسکے عموم اور خصوص پر نظر رکھیں، بلکہ آپؓ نے ایک، مجمل صیغہ ذکر کیا ہے جو اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اہل مدینہ نے اہل شام کی روایت کو

تسلیم نہ کیا اور اس پر عمل نہ کیا اس کے علاوہ اور کچھ ہمارے ذہن میں نہیں آتا جس سے ہم اس عموم کی تخصیص کریں۔ علامہ شوکانیؒ کا قول اگرچہ وزنی ہے مگر ان لوگوں کے لیے ہے جو قول صحابی کو حجت نہیں مانتے البتہ احناف چونکہ صحابہ کے اقوال کو حجت مانتے ہیں اس لیے انکے ہاں اس روایت کا جواب یہ نہیں بلکہ آئندہ آنے والے ہیں۔

(۲)۔ چنانچہ علامہ ظفر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں: "وهو المنطبق على قواعدنا ومنها ان قول الصحابي حجة عندنا ان واقعة حال ولم ينكشف اجماله فلم يعلم ان ابن عباس بأى وجه ترك فيحتمل ان عدم قبوله شهادة كريب ونقله لروية معاوية لعدم تحقق شرائط القبول المفصلة في الفروع فانه اذا لم يكن غيم لا يقبل قول واحد مثلاً فلا يمكن الاستدلال به (انباء السن ۱۰۳/۹)"

ترجمہ: "اگرچہ یہ روایت ہمارے قواعد پر منطبق ہے کہ صحابی کا قول ہمارے ہاں حجت ہے، یہ حالی واقعہ سے اجمال منکشف نہیں ہوتا اور اسکی کوئی معلومات نہیں کہ عبد اللہ بن عباسؓ نے کیوں اس شہادت کو چھوڑ دیا، پس اس میں یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ آپؐ نے حضرت کربؓ کی شہادت اور حضرت معاویہؓ کی روایت کو اس لئے چھوڑ دیا کہ اس میں فروغ کے اندر قبولیت کی شرائط متحقق نہ تھیں اس لئے کہ جب آسمان ابر آلود نہ ہو تو ایک شخص کی گواہی قبول نہ ہوگی پس اس سے استدلال ممکن نہیں۔ اس لئے کہ جب آسمان کا مطلع صاف ہو کوئی گرد و غبار نہ ہو تو گواہوں کے جم غفیر کا ہونا ضروری ہے۔ صرف ایک یا دو اشخاص کے دیکھنے سے روایت ثابت نہ ہوگی چونکہ یہاں پر بھی حضرت کربؓ فرد واحد تھے اور ممکن ہے کہ مدینہ منورہ کا مطلع اس وقت صاف تھا اس لئے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے انکی شہادت کو قبول نہ فرمایا۔

(۳)۔ حضرت العلامة شیخ الہمد مولانا محمود الحسنؒ کا جواب جس کو علامہ عثمانیؒ نے نقل کیا ہے: "اجاب شيخنا المحمود عن حديث كريب! بان غرض ابن عباسؓ ليس رد شهادة كريب مطلقاً في حق ثبوت الصيام بهابل المقصود نفى الاكتفاء بهافي حق الفطر كما يظهر من قوله فلا نزال نصوم حتى نكمل ثلاثين او نراه"

(فتح المہم ۱۱۳/۳)۔ ترجمہ: "کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی غرض حدیث کے باب میں مطلقاً حضرت کریمؐ کی شہادت کو رد کرنا مقصود نہیں تھا کہ اس سے روزے کا دو سب ثابت نہ ہو گا بلکہ آپؐ کا مقصد اس سے یہ تھا کہ ایک آدمی کی شہادت سے افطار کا ثبوت نہیں ہوتا اور یہ بات آپؐ کے قول فائز ال انصوم حتی یحمل ثلاثین اور اس سے ظاہر ہوتی ہے۔ یہ جواب کئی وجوہ سے واضح ہے۔

(۱)۔ یہ شہادت افطار کیلئے تھی اور نہ کیلئے مطلع اور آلود ہونے کی صورت میں بھی کم از کم دو گواہوں کا ہونا ضروری ہے ایک گواہ کی گواہی سے افطار ثابت نہیں ہوتا۔

(۲)۔ اگرچہ لوگوں نے ایک گواہ کی گواہی پر روزہ رکھا ہو تو ہمیں دن پورے ہونے پر افطار نہ کریں جب تک چاند نہ دیکھیں، اس لیے کہ یہ شہادت رمضان کے ثبوت کیلئے جوت ہو سکتی ہے لیکن افطار کے ثبوت کے لئے ناکافی ہے۔ علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

"أن تری انه لو شهد وحده مقصود الانتہی بخلاف ماذا صاموا بشهادة شاهدين لان لهما شهادة علی الصوم والسطر جمعیا" (ابن الصلاح)

ترجمہ: کیا تمہیں علم نہیں کہ اگر کوئی ایک گواہ فطر کی گواہی دے تو اسکی گواہی کو قبول نہیں کیا جائے گا بخلاف دو گواہوں کے جب وہ ثبوت رمضان کے لئے گواہی دیں، اس لئے کہ یہ دونوں گواہ عید و رمضان دونوں کیلئے کافی ہیں۔ یعنی اگر ان دو گواہوں کی شہادت سے رمضان کا ثبوت ہو گیا ہو تو ہمیں دن مکمل کرنے کے بعد بغیر رویت ہلال کے عید منانا جائز ہے۔ البتہ اگر آسمان آلود ہو تو علامہ ابن الکمام کی ذکر کردہ تصریح کے مطابق کہ اس صورت میں بالاتفاق عید منانا جائز ہے۔ (فتح المہم ۱۱۳/۳)۔

(۴)۔ علامہ ابن ہمامؒ کا جواب: فرماتے ہیں اگر عید کا اشارہ اس واقعہ کی طرف ہو جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت کریمؐ کے مابین پیش آیا تھا تو "لا دلیل فیہ لانه مثل ما وقع من کلامہ لو وقع لنالہم نحکم به لانه لم یشہد علی شہادۃ غیرہ ولا علی حکم الحاکم" (فتح القدیر ۲/۲۴۳)۔ ترجمہ: "اس واقعہ میں کوئی دلیل نہیں اس لئے کہ جو واقعہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے سامنے پیش آیا ہے ہمارے سامنے پیش آئے تو ہم اس پر حکم نہیں دیں گے اس

لئے کہ حضرت کریبؓ نے نہ غیر کی شہادۃ پر گواہی دی اور نہ حاکم کے حکم پر گواہی دی تھی۔
(۵)۔ اور علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں :

"ولا دليل فيه لانه لم يشهد على شهادة غيره ولا على حكم الحاكم ولئن سلم فلانه لم يأت بلفظ الشهادة ولئن سلم فهو واحد لا يثبت بشهادته وجوب القضاء على القاضي"۔ (المحرر الرائق ۲/ ۲۷۰) (ترجمہ: اس واقعہ میں اس باب کی کوئی دلیل نہیں اس لئے کہ حضرت کریبؓ نے نہ غیر کی گواہی پر شہادت دی اور نہ حاکم کے حکم پر گواہی دی اگر تسلیم کر بھی لیا جائے تو انہوں نے اس میں لفظ شہادۃ نہیں کہا اگر اسکو بھی تسلیم کر لیا جائے تو وہ اس میں اکیلے تھے جسکی شہادت سے قاضی پر قضاء کرنا واجب نہیں ہوتا۔ علامہ ابن ہمامؒ اور علامہ ابن نجیمؒ ان دونوں محققین فقہاء کرام نے اس روایت کا تین وجوہ سے جواب دیا جو عبارت سے وضاحت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے۔

(۷)۔ اس میں ایک توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ حضرت عباسؓ کے نزدیک اگرچہ اختلاف مطالع معتبر نہیں تھا اور شام کی روایت مدینہ منورہ کیلئے کافی ہو سکتی تھی لیکن چونکہ خبر دینے والے صرف حضرت کریبؓ تھے اور نصاب شہادت موجود نہ تھا اس لئے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اسے قبول نہ کیا۔ (درس ترمذی ۲/ ۵۲۲)۔

فقیہ العصر شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ اس جواب کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اگر اس پر یہ اشکال کیا جائے کہ رمضان کے مہینے کے ثبوت کیلئے ایک گواہ بھی کافی ہے تو عبداللہ بن عباسؓ کو حضرت کریبؓ کی شہادت پر عمل کرنا چاہیے تھا اگرچہ وہ اکیلے تھے۔ فرماتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اگرچہ رمضان کے چاند کا معاملہ تھا لیکن چونکہ گفتگو مدینہ کے آخر میں ہو رہی تھی اس لئے اس سے عید کا مسئلہ متعلق ہو گیا تھا اور اس میں ایک شخص کی خبر یا شہادت کافی نہ تھی اور یہاں چاند کی خبر دینے والے صرف حضرت کریبؓ تھے۔ (درس ترمذی ۲/ ۵۲۵)

(جاری ہے)

